رسائل و مسائل

قرآن مجید اور وحی خفی

جناب ملک غلام علی صاحب مدیر شعبہ علمیہ ۔ منصورہ

سوال:۔ ہمارے ہاں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو قسم کی وحی ملا کرتی تھی ۔ ایک قسم کی وحی وہ جو جبریل امین کی وساطت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتی تھی، اس کے الفاظ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے ۔ اس طرح کی گئی ساری وحیوں کا مجموعہ قرآن ہے اور آنحضورؐ اس بات کے مکلف تھے کہ وہ اس قسم کی وحی کو بلا کم و کاست اُنہی الفاظ میں عام لوگوں تک پہنچا دیں جن الفاظ میں وہ وحی اُن کو ملتی تھی ۔ اُسے وحی جلی کہا جاتا ہے ۔ چونکہ اس قسم کے وحیوں کے مجموعہ (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے اور حضورؐ کے زمانے میں بھی کی جاتی تھی لہٰذا اُسے وحی متلو بھی کہتے ہیں اور چونکہ اس قسم کی وحی کو ساتھ کے ساتھ لکھ لیا جاتا تھا لہٰذا اس کا تیسرا نام وحی مکتوب ہوا ۔

دوسری قسم کی وحی محض حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے لیے ہوتی تھی، وہ بلا واسطہ جبریل، براہ راست ملتی تھی، اس کے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے تھے، اس کی تلاوت بھی پہلی قسم کی وحی کی طرح نہ کی جاتی تھی اور اُسے ساتھ کے ساتھ لکھا بھی نہ جاتا تھا اس قسم کی وحی آنحضورؐ کے اقوال و افعال کے ذریعے سے عام لوگوں تک پہنچتی تھی، اسے وحی خفی وحی غیر متلو یا وحی غیر مکتوب کہا جاتا ہے ۔

آئیے دیکھیں کہ قرآن مجید اس بارے میں کیا کہتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ میں بیان فرمایا ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ کس کس انداز

سے کلام کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ -

"کسی بشر کے لیے یہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے گفتگو کرے، مگر وحی کے طریقہ پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا اس طرح کہ ایک پیغامبر بھیجے۔ اور وہ اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہتا ہو۔ وہ برتر اور حکیم ہے"۔ (۴۲/۵۱)

ترجمہ کے یہ الفاظ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے وقت عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بشر پر احکام و ہدایات نازل ہونے کی تین صورتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک براہ راست وحی یعنی القاء والہام، دوسرے پردے کے پیچھے سے کلام، تیسرے اللہ کے پیغام بر (فرشتے) کے ذریعے سے وحی۔ قرآن کریم میں جو وحیاں جمع کی گئی ہیں وہ ان میں سے صرف تیسری قسم کی ہیں۔ اس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے آیات (۲/۹۷-۹۸) اور آیات (۲۶/۱۹۱-۱۹۴) میں خود ہی کر دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کو ہدایات ملنے کی باقی دو صورتیں جن کا ذکر آیت نمبر (۴۲/۵۱) میں کیا گیا ہے۔ وہ قرآن مجید کے علاوہ ہیں۔ اور اس بات کی مزید تائید کے لیے قرآن کریم کی چند آیات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ یوں وحی خفی کا عقیدہ رکھنے والوں کے نزدیک اس قسم کی وحی کے وجود کا ثبوت بنص صریح پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

آیت (۴۲/۵۱) کی تفسیر کا جو خلاصہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ اس میں چند بنیادی اور دُور رس نتائج کی حامل غلطیاں ہیں۔

۱۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ اس آیت جلیلہ میں لفظ رسول سے ملکِ رسول مراد لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس لفظِ رسول سے مراد بشر رسول ہے۔

۲۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ یہ مفروضہ قائم کر لیا گیا ہے کہ اس آیت میں محض نبیؐ رسول کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کرنے کے طرق کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں عام انسانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ تمام انسانوں کے ساتھ خدا کے کلام

کرنے کے طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ میں فَیُوْحِیَ کا فاعل رسول کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ فَیُوْحِیَ کا فاعل اللہ ہے، رسول نہیں ہے۔

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین کہا ہے۔ اس نے خود بتایا ہے کہ کس جگہ لفظ رسول سے مراد ملک رسول ہے اور کس جگہ بشر رسول۔ قرآن کریم کا قاعدہ کلیہ اور اسلوب بیان یہ ہے کہ ملک رسولوں کو "نازل" کرتا ہے اور بشر رسول کو "ارسال" کرتا ہے۔ "نزول ملائکہ" اور "ارسال رسل" گویا قرآن مجید کی اصطلاحات ہیں۔

ایک لفظ القاء بھی وحی خفی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ آپ اس کے استعمال کے سارے قرآنی مواقع دیکھ لیں۔ آپ کو پورے قرآن مجید میں اس کا استعمال وحی غیر متلو کے معنوں میں نہ ملے گا۔ بلکہ آنحضورؐ کو قرآن پاک ملنے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (۲۷: ۶) " اور تجھ کو قرآن ایک حکمت والے خبردار (خدا) کی طرف سے القاء کیا جاتا ہے۔

جو کچھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی بصیرت علمی سے ماورا تھا۔ اور اس کی کار نبوت کے لیے علمی سطح پر ضرورت بھی تھی۔ وہ سب کچھ انہیں کتاب کے ذریعے سے دے دیا گیا۔ یہ کتاب کافی ہے۔ علاوہ ازیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، وحی خفی کی بھی نہیں۔

جواب: آپ جس عقیدے کی تردید کرنے چلے ہیں۔ میں خود اس کا قائل ہوں۔ اور اس کا انحصار فقط ایک آیت پر نہیں ہے بلکہ بہت سی دوسری نصوص کتاب و سنت سے بھی یہ میرے نزدیک ثابت ہے۔ قرآن مجید یا دیگر کتب سماویہ کے علاوہ بھی وحی انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی۔ اور وہ بھی وحی نبوت کی ایک قسم ہے۔ خواہ اس کو کسی اصطلاحی نام سے تعبیر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ وہ ہر حالت میں غیر ملفوظ یا فرشتے کی وساطت کے بغیر ہوتی تھی۔ وہ الفاظ پر بھی مشتمل ہو سکتی تھی بالخصوص جب کوئی فرشتہ اسے لے کر آتا تھا تو لازماً وہ الفاظ ہی کی شکل میں اسے پہنچانا ہوگا۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ انبیاء کی ذاتی رہنمائی کے لیے ہوتی تھی۔ بسا اوقات اس میں نبی یا اس

کے متبعین کے لیے تبشیر، تنذیر یا تثبیت و تسکین کا پہلو ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس میں انبیاء یا اُن کے متبعین کے لیے رہنمائی اور امر و نہی کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ وحی خواب کی شکل میں بھی ہوتی تھی، جیسا کہ قرآن و حدیث کے متعدد مقامات سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو بیٹا قربان کرنے کا حکم خواب کے ذریعے دیا گیا۔ جو فی الحقیقت واجب التعمیل تھا۔ اور دونوں باپ بیٹوں نے ایسے ایسا ہی یقین کیا۔ غیر نبی کے خواب کی یہ دینی و شرعی حیثیت کبھی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بنا پر کوئی باپ بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے اور بیٹا ذبح ہونے کے لیے مکلّف و آمادہ ہو جائے۔ صحیحین اور دوسری کتابوں میں حضرت عائشہ اور دوسرے صحابہ کرام سے متعدد احادیث مروی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی شکل میں ہوئی جن کی تعبیر فلقِ صبح کی طرح بالکل عیاں ہو جاتی تھی۔ اگر آپ کچھ لوگوں کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ یہ دوسری وحی جو ہمارے پاس حدیث و سنّت کی شکل میں موجود ہے۔ وہ محض اساطیر اور قصّے کہانیاں ہیں اور اُن میں کوئی شے واجب الاتباع نہیں ہے تو مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اور آپ جو چاہیں لکھتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ آپ اس لاطائل بحث میں کیوں اپنے آپ کو اور دوسروں کو اُلجھانا چاہتے ہیں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ وحیٔ نبوت مکتوب بھی ہوتی ہے اور غیر مکتوب بھی اور ایک مسلمان کے لیے دونوں دینی لحاظ سے حجت و سند ہیں۔

جہاں تک سورہ شوریٰ کی آیت مذکورہ کا تعلّق ہے اُس کا جو ترجمہ مولانا مودودی مرحوم نے بیان فرمایا ہے میرے نزدیک وہی صحیح اور قابلِ ترجیح ہے۔ بیشتر علماء مفسرین نے اس کا مفہوم یہی بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ بعض نے یوسل رسولا سے انسانی پیغمبر بھی مراد لیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہاں فرشتہ ہی مراد ہے۔ ملائکہ کے لیے رسول اور رسل کا لفظ قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب فرشتے کے لیے بھی رسول کا لفظ استعمال ہوگا۔ اور وہ پیغام بر کی حیثیت سے آئے گا اور اس کے لیے ارسال کے فعل کا استعمال بھی بالکل صحیح ہوگا اور یرسل رسولاً سے مراد پیغام بر کا ارسال کرنا ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس میں اشکال و اعتراض کا کیا پہلو ہے۔ فرشتہ اگر رسول کی حیثیت سے آرہا ہے تو اس کے لیے ارسال کا صیغہ آخر کیوں نہیں آسکتا؟

آپ کی طویل و عریض بحث میں ایک چیز جو میں نے خاص طور پر دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے بہت سے استدلالات و مزعومات کو آپ ایسے قواعد کلیہ کے طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ گویا اُن میں سے کوئی استثنا نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کہ پورے قرآن مجید میں القاء یا تلقی کا استعمال وحی غیر متلو کے لیے نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ لفظ ہر طرح کے القا اور تلقی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ رحمانی ہو یا انسانی حتیٰ کہ شیطانی ہو۔ تلقی کا لفظ بھی حضرت آدم کے جنت کے قیام کے ذکر میں فرمایا گیا۔ جب وہ منصب نبوت پر فائز نہیں تھے " فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ " (البقرہ - ۳۷) اسی طرح فرمایا اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ (النور ۱۵) اسی طرح فرمایا " اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ "۔ (قٓ - ۱۷) اسی طرح آپ کا یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ ملائکہ کے لیے ہمیشہ نزول یا اس مادے کے دوسرے مشتقات ہی استعمال ہو سکتے ہیں ــــ فرشتوں کے لیے جَآءَ اور جَآءَتْ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں اور ارسل کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اس لیے آپ یہ خواہ مخواہ کا غلط ادعا کر رہے ہیں اور اس سے جو بات آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ثابت نہیں ہوتی اور اس کا خلاف کتاب و سنّت کی متعدد نصوص سے ثابت ہے۔

سجدۂ شکرانہ

(ادارہ)

سوال:۔ رجم کے متعلق حال ہی میں جو غیر متفقہ عدالتی فیصلہ سامنے آیا ہے اس پر طلوع اسلام کا ایک اقتباس بہ عنوان "سجدۂ شکرانہ" پیش خدمت ہے۔

"**سجدۂ شکرانہ**: یہ پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ روزنامہ نوائے وقت لاہور کی اشاعت میں یہ ایمان افروز خبر، وجہ فروغ دیدہ ہوئی کہ:۔

وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دے دیا۔

تفصیل اس کی یوں درج ہے کہ:۔ــــ اسلام آباد ۲۱ مارچ (پ پ ا) وفاقی شرعی عدالت

نے آج کثرت رائے سے فیصلہ سنایا ہے کہ رجم یعنی سنگسار کر کے ہلاک کر دینا حد نہیں۔ یہ فیصلہ مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) صلاح الدین احمد (چیئرمین)، مسٹر جسٹس آغا عبد العلی۔ مسٹر جسٹس شیخ آفتاب حسین۔ مسٹر جسٹس ذکاء اللہ لودھی، اور مسٹر جسٹس کریم اللہ درانی (ارکان) نے دو درخواستوں پر سنایا ہے۔ یہ درخواستیں لاہور کے مسٹر حضور بخش، مسٹر ایم۔ آئی چودھری نے دائر کی تھیں، جن میں کہا گیا تھا کہ نفاذِ حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء کے مطابق رجم یا سنگساری، اسلامی احکام کے منافی ہیں۔ فاضل عدالت کے تین ججوں نے فیصلہ دیا کہ رجم حد نہیں۔ جب کہ جسٹس شیخ آفتاب حسین نے قرار دیا کہ یہ فیصلہ تعزیر کے مطابق ہے تاہم مسٹر جسٹس کریم اللہ درانی نے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ رجم حد ہے۔ عدالت کے اعلان کے مطابق اس فیصلے کا اطلاق اس سال ۳۱ جولائی سے ہوگا۔ اس وقت تک آئین کے تحت حکومت قانون میں ضروری ترمیم کرے گی تاکہ اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت کے مطابق بنایا جاسکے۔"

اب اس پر جذباتِ مسرت کا وجدان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے:

"ہم سب سے پہلے بحضور رب العزت سجدہ ریز ہیں جس نے ہماری ننھی سی کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔ اس کے بعد ہم محترم حضور بخش اور ایم۔ آئی چودھری نیز ان دیگر حضرات کو جنہوں نے اس باب میں کوشش فرمائی مستحق مبارکباد سمجھتے ہیں اور شرعی وفاقی عدالت کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس اولوالعزمانہ فیصلہ سے قرآن مجید کی برتری کو ثبت کر کے، اسلام کو دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنا دیا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ احسن الجزاء۔

کچھ اس کے متعلق آپ بھی اظہار رائے کریں گے۔

جواب:

کچھ ایسا اظہار رائے کا مقام تو نہیں ہے اگر آپ نے جب بطور خاص اسے اٹھا کر میرے سامنے لا رکھا ہے تو تھوڑی سی دلچسپی لینے میں کچھ حرج بھی نہیں۔

پہلی بات تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس شذرے کا اختتامی حصہ پڑھتے ہی خیال آتا ہے کہ حد رجم کے خلاف حالیہ فیصلہ صادر ہونے سے پہلے دنیا میں اسلام (نعوذ باللہ) بڑا اشرمسار اور سرنگوں رہا ہو گا بلکہ گھسٹ اور رینگ کر چلتا ہو گا۔ دورِ نبوتؐ ہو یا دورِ خلافتِ راشدہ، اموی سلطنت ہو، یا عباسی، فاطمی دور ہو یا عثمانی، مسلمانوں کی گردن دنیا کے سامنے بہت دبتی ہو گی، بیچارے احساسِ کمتری کی وجہ سے بات بھی نہ کر سکتے ہوں گے۔ تبلیغِ اسلام کی جرأت تو اور بھی مشکل ہے۔ کوئی شخص اسلام لاتا بھی نہ ہو گا۔

شاید یہی وہ کمزوری ہو گی کہ جس نے ہماری سلطنتوں کو سرنگوں کر دیا اور جگہ جگہ غلامی کی رات چھا گئی اور اب تو بس پہلی بار اسلام کا سر ایسا اونچا ہوا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے انسانوں کو پلک جھپکنے میں مفتوح کر لے گا۔

بالفاظِ دیگر، اسلام سر اٹھا کر چلنے کے لیے "ہماری" ــــــ یعنی منکرینِ سنّت کی "تیس سالہ کوششوں" کے نتیجہ خیز ہونے کا منتظر تھا۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے یہاں اسلام، یعنی کتاب و سنّت والا اسلام کے ملے ہیں، کیا بلحاظ دستور اور کیا بلحاظ ملّت کے اکثریتی نقطۂ نظر کے اور کیا بلحاظ جملہ مدارسِ فکر کے علماء کے اجماع کے۔ پس وقتی فیصلے کچھ بھی ہوا کریں، آخرکار بات کو لوٹ کے کتاب و سنّت والے اسلام ہی پر پہنچنا ہے۔ انکارِ سنّت والے اسلام پر نہیں۔ ایک اقلیتی نقطۂ نظر کے لیے کچھ لوگ ہیلبلی کا طوفان اٹھائیں ــ یا اندرون و بیرونِ خارج اپنے حلقے بنالیں اور فکرِ مغرب کے اسیروں کو "اسلام میڈ ایزی" کے طلسم سے تسکین پہنچا کر انہیں زیرِ اثر کر لیں۔ اُن کا عقیدۂ خاص اکثریتی نقطۂ نظر نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ایک جزوی معاملے میں اس کے اطلاق سے اس کی پوری خرابیاں سامنے نہیں آتیں۔ مگر سارے اسلام کے سارے نظامِ عبادات و معاملات پر ترکِ سنّت کا اصول پھیلا یا جائے تو اصل بات کھلتی ہے کہ دین کے تمام ادارے اور تمام ہیئتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور فکری اختلافات کے بیسیوں راستے ہر مسئلے میں نکل آتے ہیں۔ وہ تو سنّت نے ہر معاملے میں (DIMENSIONS اور DIRECTIONS) کو متعین کر دیا ہے جس کی وجہ سے لاطائل اختلافات کے راستے بند ہو جاتے ہیں، صرف اجتہاد و استنباط کی راہیں کھلی رہتی ہیں۔

تو میں جناب مستفسر سے عرض کروں گا کہ ہمارے ہاں جو گروہ اکثریت کے خلاف مراصد میں گھات لگا کے بیٹھتے ہیں اور پھر جب اُن کا کوئی وار کاری لگ جاتا ہے تو اُس پر خوشی مناکر اکثریت کو چڑاتے ہیں، وہ کسی نہ کسی وقت اس طفلانہ کھیل کا خمیازہ بھگتیں گے۔ اُن کی حالیہ کامیابی رائے عام اور علما کی بحثوں کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اوپر سے وارد ہوئی ہے۔

تیسری گذارش یہ ہے کہ یہ کچھ اچھا اسلوب نہیں ہے کہ ایک معزز عدالتی بنچ کے فیصلے میں جن ججوں کی آرا آپ کو پسند آئی ہیں۔ اُن کے ناموں کو الگ سے نمایاں کر کے آپ اُن کو مبارکباد دیں (اگرچہ شرطِ ادب پوری کرنے کے لیے بعد میں پوری عدالت کے لیے بھی مبارکباد کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں) نیز اُن کے بارے میں خطوطِ وحدانی کے اندر "جنہوں نے اس باب میں کوشش فرمائی" کے الفاظ بھی خواہ مخواہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ آیا مسئلے کو سوچنے اور فیصلہ لکھنے کے علاوہ بھی کسی طرح کی تکلیف اُٹھانا مراد ہے۔ کیونکہ اوپر "ہماری تیس سالہ کوششوں" کے الفاظ میں کوشش کا ایک خاص تصور ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ججوں کے متعلق ایسے ذومعنی الفاظ اور انداز سے اظہارِ تحسین اچھا نہیں لگتا آخر کوشش تو اُن ججوں نے بھی فرمائی جنہوں نے اختلافی فیصلہ لکھا۔ اُن کے متعلق نام لے کر الگ سے آپ نے دادِ سند نہیں فرمائی۔

شاید فوری مسرت کے دباؤ کی وجہ سے اس طرح کا ذہنی عدم توازن پیدا ہو گیا ہو۔

(ن۔ ص)